© rasailojaraid.com

من اصحاب الفتاوی کصاحب الخلاصۃ وغیرہ حیث ذکروا ان المختار عدم الاشارۃ بل ذکر بعضهم انها مکروهة فالحذر الحذر من الاعتماد علی قولهم فی هذه المسئلة انتهی۔ اسی طرح دیگر علمائے حنفیہ نے بھی منع کرنے والوں کی تردید اور تجہیل کی ہے۔ بعض نے اس پر مستقل رسالے بھی لکھے ہیں چنانچہ ملا علی قاری حنفی اپنے رسالہ تزیین العبارۃ لتحسین الاشارۃ میں لکھتے ہیں، وبالجملة فهو مذکور فی الصحاح الست وغیرها لما کاد ان یکون متواترا بل یصح ان یقال انه متواتر معنی فکیف یجوز لمؤمن بالله ورسوله ان یعدل عن العمل به و یاتی التعلیل فی معرض النص الجلیل انتهی۔

(۲) نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد میت کے گرد حلقہ باندھ کر کلام اللہ پڑھ کر مردہ کو بخشنا بے اصل اور بے ثبوت چیز ہے۔ اس لئے اس کے بدعت ہونے میں شبہ نہیں کرنا چاہیے۔

(۳) اہلحدیث عورتوں کے ختنہ کرنے کے قائل نہیں ہیں کیونکہ کسی معتبر حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ قال فی عون المعبود ص۴۳۳ ج۴ شرح سنن ابی داؤد حدیث ختان المرأۃ روی من اوجه کثیرۃ وکلها ضعیفة معلولة مخدوشة لا یصح الاحتجاج بها وقال ابن المنذر لیس فی الختان خبر یرجع الیه ولا سنة یتبع وقال ابن عبد البر فی التمهید والذی اجمع علیه المسلمون ان الختان للرجال انتهی

(۴) بیعت کی کئی قسمیں ہیں مثلاً بیعتِ خلافت۔ بیعتِ اسلام۔ بیعتِ ہجرۃ وجہاد۔ بیعتِ ثبات وتوثق فی الجہاد۔ بیعتِ تمسک بحبل التقویٰ یا بیعت توبہ......... وترک معاصی و پابندی۔ پہلی چار قسموں کے جواز میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ پانچویں قسم یعنی بیعت توبہ بھی جائز اور مباح ہے۔ واجب اور فرض نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریرؓ سے محافظت نماز، ادائگی زکوٰۃ اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کی بیعت لی تھی۔ اور ۸ھ میں سورۂ ممتحنہ کے نزول اور فتح مکہ کے بعد مدینہ میں انصار و مہاجرین کی ایک جماعت سے ان امور پر بیعت لی جو بیعۃ النساء والی آیت میں مذکور ہیں۔ (بخاری وغیرہ) اور فقراء مہاجرین سے اس امر پر بیعت لی کہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں اور نہ کچھ مانگیں (ابن ماجہ) اور عورتوں سے ترک نوحہ کی بیعت لی۔ (بخاری وغیرہ) اور ظاہر ہے کہ ان حدیثوں میں جس بیعت کا ذکر ہے۔ وہ نہ بیعتِ خلافت و امارت تھی نہ بیعتِ اسلام نہ بیعتِ ہجرۃ وجہاد بلکہ بیعت توبہ و عزم ترک معاصی و پابندی احکام شرعیہ تھی یا یوں کہئے کہ بیعتِ تمسک بالسنة و اجتناب عن البدعة والتزام طاعات تھی۔ خلاصہ یہ کہ یہ محض استیثاق عہد تھا اور اس سے مقصود تزکیہ و اصلاح تھا۔ رہا یہ شبہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے امیر اور بادشاہ اور خلیفۃ اللہ فی الارض تھے۔ اس لئے مسلمانوں سے آپ کی ہر بیعت بحیثیت خلیفۃ اللہ فی الارض اور امیر و بادشاہ ہونے کے تھی۔ پس خلفاء اور امراء مسلمین کے لئے ہی بیعت جائز اور مباح ہوگی نہ علماء اور شیوخ کے لئے۔ سو واضح ہو کہ

احکام شرعیہ، بیعت ارادہ برائے حصول مقامات عرفان و وصول منازل احسان۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ شبہ بے موقع اور بے محل ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت کی دو حیثیتیں تھیں، ایک خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی اور دوسری عالم اور معلم کتاب وسنۃ اور مزکیٔ امت ہونے کی۔ پس علی جہۃ الخلافۃ والامارۃ جو بیعت لی ہو وہ خلفاء کے لئے مشروع ہوگی اور کتاب وسنّت کا معلم اور امت کا مزکی ومصلح ہونے کی جہت سے جو بیعت لی ہوگی وہ علماء کاملین کے لئے مشروع ومباح ہوگی اور ان جہتوں میں امتیاز امور متعلقہ بیعت کے ذریعہ کیا جائیگا فتدبر ولاتعجل۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ بیعتِ توبہ اس لئے متروک ہوگئی کہ اپنے اندر کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ صرف حد جواز واباحت میں ہے۔ بعض حالات میں اس کا کرنا بہتر ہوجاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اُس زمانہ میں صحابہ بکثرت موجود تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے نورانی ہو چکے تھے۔ اُن کا حال قال سے بڑھا ہوا تھا۔ عام حالات نے اس سے مستغنی کردیا تھا۔ ان کو تزکیہ واصلاح حال کے لئے خلفاء کے ہاتھ پر بیعتِ توبہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ عام حالات سدھرے ہوئے ہوں تو یہی اصلاح کے لئے کافی ہے۔ قول عہد ومعاہدہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اور خلفائے راشدین کے بعد کے زمانوں میں غیر خلیفہ کے ہاتھ پر اس بیعت کا رواج اس لئے نہیں تھا کہ بیعتِ خلافت کا گمان ہونے کی وجہ سے بغاوت کا الزام اور پھر فتنہ کا اندیشہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ آپ نے صرف بیان جواز کے لئے کیا تاکہ کبھی موقعہ ہو تو اس پر عمل کرلیا جائے۔ بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب تو لکھتے ہیں وہما لاشك فيه ولا شبهة انه اذا ثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل على سبيل العبادة والاهتمام بشانه فانه لا ينزل عن كونه سنة في الدين (القول الجميل)

بہرحال اس بیعت کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کرنا چاہئے۔ آجکل پیری مریدی کے سلسلہ میں اہل بدع کا عوام پر جو اثر ہے سب پر کھلا ہوا ہے۔ اس مہلکہ سے عوام کو نکالنے کے لئے بڑا ذریعہ یہی بیعتِ توبہ ہے اس لئے اس کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ کام ہر کس وناکس کا نہیں ہے بلکہ شیخ کامل کا ہے کیونکہ اس کی عملی زندگی لوگوں پر اثر انداز ہوگی اور پھر شیخِ کامل بھی اس کی تمنا نہ کرے نہ اپنے آپ دعوت دے ہاں لوگ کسی کی طرف رجوع کریں اور مرجوع الیہ شخص پورا محتاط ہو۔ اہل بدع کی طرح اس کو ذریعۂ معاش نہ بنائے اور اپنے اندر اس عبارِ ثقیل کے اُٹھانے کی صلاحیت پاتا ہو تو اس امر کی طرف قدم اٹھائے ورنہ اپنے کو خطرہ میں نہ ڈالے یہ کام بڑی ذمہ داری کا ہے۔

صوفیوں کے یہاں بیعت کے متوارث طریقے تین ہیں (۱) بیعتِ توبہ جس پر مفصل بحث گذر چکی۔

(۲) بیعتِ تبرک یعنی برکت حاصل کرنے کے قصد سے سلسلۂ سندِ حدیث کی طرح سلسلۂ صلحا میں دخول و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شمول کی بیعت کہ صوفیہ کے نزدیک بیعت برکت کے حصول کا باعث ہے۔ (۳) بیعت جو تمام علائقِ دنیاوی سے تعلق توڑ کر صرف اللہ سے تعلق قائم کرنے اور قلب کو صرف اسی کے ساتھ وابستہ کر لینے اور ظاہر و باطن ہر حالت میں منہیات سے کلی اجتناب اور اوامر کے امتثال اور دائمی مجاہدہ و ریاضت کے لئے اختیار کی جائے بلفظ دیگر بیعت ارادت جو حصول مقامات عرفان اور وصول منازلِ احسان کی غرض سے عمل میں لائی جاتی ہے۔

دوسری قسم یعنی بیعتِ تبرک بے اصل ہے۔ اس قسم کے سلسلۂ بیعت کی سند نہیں ملتی۔ اور حضرت علیؓ کے حضرت حسن بصری کو خرقہ پہنانے کا قصہ بے اصل اور غلط محض ہے۔ حسن بصری کا حضرت علیؓ سے لقاء سماع ثابت ہی نہیں۔ لم یثبت عند النقاد المهرة سماع الحسن البصری من علی بن ابی طالب کما ذهب الیه علی بن المدینی وابو زرعة والترمذی وابن ابی حاتم والبزار وغیرهم قال الامام عبد الرحمن بن ابی حاتم فی المراسیل سئل ابو زرعة عن الحسن لقی احدا من البدریین قال رآهم رؤیة رأی عثمان بن عفان وعلیا قلت سمع منهما حدیثا قال لا وکان الحسن البصری یوم بویع لعلی ابن اربع عشرة ورأی علیا بالمدینة ثم خرج علی الی الکوفة والبصرة ولم یلقه الحسن بعد ذلک وقال الحسن رأیت الزبیر یبایع علیا۔ حدثنا محمد بن احمد ابن البراء قال علی بن المدینی لم یر الحسن علیا الا ان یکون رآه بالمدینة وهو غلام انتهی۔ وقال الترمذی فی باب ما جاء فی من لا یجب علیه الحد ولا نعرف للحسن سماعا من علی بن ابی طالب انتهی۔ وقال البزار فی ترجمة سعید بن المسیب عن ابی هریرة وروی الحسن عن علی بن ابی طالب غیر حدیث ولم یسمع منه وبینهما قیس بن عباد وروی البزار فی مسنده حدیث افطر الحاجم والمحجوم من طریق الحسن عن علی ثم قال البزار جمیع ما یرویه الحسن عن علی مرسل وانما یروی عن قیس بن عباد وغیره عن علی انتهی۔ وقال السخاوی فی المقاصد الحسنة قال شیخنا (الحافظ ابن حجر) ان من الکذب المفتری قول من قال ان علیا البس الخرقة الحسن البصری فان ائمة الحدیث لم یثبتوا للحسن بن علی سماعا فضلا عن ان یلبسه الخرقة ولم ینفرد شیخنا بهذا بل سبقه الیه جماعة کالدمیاطی والذهبی والعلائی والمغلطائی والعراقی وابن الملقن والبرهان الحلبی وغیرهم انتهی واعظم ما یستدل به علی اثبات سماع الحسن البصری من علیؓ روایة ابی یعلی الموصلی فقد قال العلامة جلال الدین السیوطی فی اتحاف الفرقة برفع الخرقة والشیخ ابراهیم الکردی الکورانی المدنی فی رسالته المسماة بتنویر الافهام بتنفیر الاوهام والشیخ محمد عابد السندی فی حصر الشارد قال الحافظ ابن حجر وقع فی مسند ابی یعلی الموصلی قال حدثنا جوثرة بن اشرس انا عقبة بن ابی الصهباء الباهلی قال سمعت الحسن یقول سمعت علیا یقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل امتی مثل المطر الحدیث قال الشیخ محمد بن حسن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الصيرفي، هذا نص صريح في سماع الحسن من علي رجاله ثقات حوثرة وثقه ابن حبان وعقبة وثقه احمد بن حنبل وابن معين انتهى- **قلت** في الاستدلال بهذه الرواية نظر لان حوثرة بن اشرس البصري ليس من الحفاظ الاثبات وما وثقه احد من ائمة الجرح والتعديل بل هو مستور مجهول الحال نعم ليس هو مجهول العين لان ابا يعلى الموصلي والحسن بن سفيان يرويان عنه وذكره ابن حبان البستي في كتاب الثقات في الرواة الذين رووا عن تبع الاتباع فقال حوثرة بن اشرس العدوي ابو عامر من اهل البصرة يروي عن حماد بن سلمة والبصريين حدثنا عنه الحسين بن سفيان وابو يعلى مات سنة احدى وثلاثين ومائة انتهى- لكن بذكره الحوثرة في كتاب الثقات لا يثبت توثيقه على تعريف الجمهور بل لابي حاتم بن حبان اصطلاح خاص في كتاب الثقات لانه يذكر في كتابه كل رجل قد وثق وجاء فيه تعديل وكل رجل لم يجرح وان لم يوثق فيذكر في ثقاته من كل النوعين فاذا لم يكن في الراوي جرح ولا تعديل هو ايضاً ثقة على رأي ابن حبان وهو مستور الحال عند الجمهور ورواية المستور لم يقبلها الجمهور فمن يكون من النوع الاول اي من جاء فيه تعديل او يكون من المشاهير فهو ثقة عند الجمهور وابن حبان فكل رجل يكون من النوع الثاني اي ممن لم يكن فيه جرح ولا تعديل فهو ثقة عند ابن حبان فقط قال السخاوي في فتح المغيث شرح الفية الحديث في باب بيان الصحيح الزائد على الصحيحين ما نصه- قال الحافظ ابن حجر واذا لم يكن في الراوي جرح ولا تعديل وكان كل من شيخه والراوي عنه ثقة ولم يات بحديث منكر فهو عند ابن حبان ثقة وفي كتاب الثقات له كثير ممن هذه حالته ولاجل هذا ربما اعترض عليه في جعلهم من الثقات من لم يعرف اصطلاحه ولا اعتراض عليه فانه لا يشاحح في ذلك انتهى وقال السخاوي ايضاً في باب معرفة من تقبل روايته ومن ترد ما نصه ذهب ابن خزيمة الى ان جهالة العين ترتفع برواية مشهور واليه يؤمي قول تلميذه ابن حبان العدل من لم يعرف فيه الجرح واذا التجريح ضد التعديل فمن لم يجرح فهو عدل حتى يتبين جرحه اذ لم يكلف الناس ما غاب عنهم وقال في ضابطة الحديث الذي يحتج به ما محصله انه هو الذي يعرى راويه من ان يكون مجروحا او فوقه مجروح او كان سنده مرسلا او منقطعا او كان المتن منكرا فهو مشعر بعدالة من لم يجرح ممن لم يرو عنه الا واحد ويتاييد بقوله في ثقاته ايوب الانصاري عن سعيد بن جبير وعنه مهدي بن ميمون لا ادري من هو ولا ابن من هو فان هذا منه يؤيد انه يذكر في الثقات كل مجهول روى عنه ثقة ولم يجرح ولم يكن الحديث الذي يرويه منكرا انتهى- فانظر ان ايوب الانصاري مع كونه مجهول الحال مستورا ذكره ابن حبان في الثقات لانه ممن لم يجرح وكذا ذكر ابن حبان جماعة من المستورين في الثقات لان مسلكه مشعر بعدالة من لم يجرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لعبد اللہ بن قیس الراوی عن الحارث بن اقیش وھو مجھول وذکرہ ابن حبان فی الثقات فھکذا حوثرۃ بن اشرس البصری ما ضعّف لکن لم یوثقہ احد من ائمۃ الجرح والتعدیل وانما ذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات علی قاعدتہ من انہ یذکر فی الثقات کل مجھول روی عنہ ثقۃ ولم یجرح فحوثرۃ ثقۃ عند ابن حبان ومجھول الحال ومستور عند الجمھور وھو قد غلط ووھم فی ھذہ الروایۃ بذکر لفظ السماع فان علی بن المدینی وابازرعۃ والترمذی وابن ابی حاتم والبزار وامثالھم الذین خلقوا لنقد الاحادیث والرجال لا یخفی علی ھؤلاء النقاد مثل ھذہ الروایۃ المشعرۃ بالسماع ومع کونھم قد بالغوا فی انکار سماع الحسن من علی فکیف یجتمع علی اثبات السماع من مثل ھذہ الروایۃ۔

تیسری قسم یعنی بیعتِ ارادت محض امورِ مباحہ سے ہے سنت یا واجب یا فرض نہیں ہے۔ اگرچہ اس مقصد کے لئے بیعت کرنے کی نظیر عہدِ رسالت و زمانہ خلافتِ راشدہ میں اور نہ بعد کے قرونِ خیر میں ملتی ہے۔ کیونکہ قرونِ مشہود لہا بالخیر میں مقاماتِ عرفان اور منازلِ احسان کے حصول کے لئے بیعت کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ جیسا کہ گذر چکا بیعت کی اقسامِ خمسہ ضرور موجود تھیں لیکن اس بیعتِ ارادت کو بدعت و ضلالت کہنا محلِ تامل ہے۔

بہرکیف ہمارے نزدیک اخلاصِ نیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود وسلام کے ساتھ کتاب اللہ اور سنتِ رسول پر عمل کرنا اصلاحِ باطن کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ مگر اگر کسی کامل شیخ کی صحبت نصیب ہو جائے تو اس کی صحبت اصلاحِ حال اور تطہیرِ باطن میں بہت ممد و معاون ہو جائے گی۔

اصل عملِ صالح اور تقویٰ وخشیتِ الٰہی ہے۔ اور انسان جب متقی ہو جاتا ہے تو عرفان و احسان کے مقامات بقدرِ مقدر اس کو خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ سب ثمرات ونتائج ہیں اعمالِ صالحہ کے نہ نفس اعمال و مطلوبِ شارع۔ تصوف اور صوفی کی حقیقت اور رسمی صوفیوں کے مروجہ و محدثہ مراسم ومکائد کے لئے تلبیس ابلیس لابن الجوزی پڑھئے اور بیعت سے متعلق مفید بحث "رسالہ بیعت" للعلامہ سلامت اللہ الجیراجپوری میں ملاحظہ کیجئے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۸)

تو یہ خطبہ نہیں بلکہ نعوذ باللہ ایک قسم کا ڈرامہ بن جاتا ہے۔ پس شانِ رسالت کی عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ آنحضور کے علم کی طرف وہی باتیں منسوب کی جائیں جو ان کی شایانِ شان ہو لیکن کلیت اور استغراق کا بے ثبوت دعویٰ کرکے خواہ مخواہ آپ کی توہین کا مرتکب ہونا ایمان کی شان نہیں۔ (باقی)

© rasailojaraid.com